Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

"Mar'at al-Aroos": New Recitation

”مرآۃ العروس“: نئی قرأت

[1]Dr. Majid Mushtaq, [2]Dr. Muhammad Awais Saleemi, [3]Muhammad Asif
[1]Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad,
[2]Assistant Controller of Examinations, Govt. College University, Faisalabad,
[3]Research Scholar, Govt. College University, Faisalabad.
Correspondence Email: abuahmadrai@yahoo.com

pISSN: 3007-2077
eISSN: 3007-2085

Received:02-11-2024
Accepted: 22-12-2024
Online: 30-12-2024

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2024 by the author(s).

Abstract
"Mar'at al-Aroos" is an important novel of urdu. Most of the critics declared it the first novel of urdu literature. It is also important for the educational and social development of women. Deputy Nazir Ahmad the writer of this novel known as the first writers having aptitude to improve the life of women. This novel having great moralities played vital role for the case. In this article we will know about those aspects which are not discussed by the critics. Characters of Akbari and Asghari discussed in a different sanario. Through this article we will know about the social values of that era, with their affectiveness. This article will help the students of literature to know about it with social aspects.

Keywords:
Social Aspects, Collective Conscious, Social Values, Fable, Preface, Immortal.

اُردو ادب میں ناول کی تاریخ قریب پون دو صدی تک محیط ہے۔ناول کی صنف ہمارے ہاں یورپ سے آئی اور طویل داستانوں کے نعم البدل کے طور پر اُردو ادب میں اپنے لیے گنجائش پیدا کی۔ ”مرآۃ العروس“ کو اُردو کا پہلا ناول کہا جا سکتا ہے۔ یہ بات اب محققین کے ہاں سند نہیں رہی کیونکہ ان سے پہلے مولوی کریم الدین کا ناول ”خطِ تقدیر“ شائع ہو چکا تھا۔ اس بات کا دعویٰ ڈاکٹر محمود الٰہی نے کیا جو گورکھپوری یونیورسٹی میں صدرِ شعبہ اردو تھے۔(۱) دنیا کی کسی بھی زبان میں اوّلیت کی بحث اہمیت کی حامل

ہو گی مگر ادب کیونکہ زندگی کا آئینہ دار سمجھا جاتا ہے تو اس حوالے سے اس کی سماجی افادیت کے پیمانوں کو مدِ نظر رکھا جانا ضروری ہے۔اس حوالے سے مقبولیت کو افادیت سمجھ لینا بھی عمومی رویہ ہے چنانچہ اکثر نقاد اسی کو معیار سمجھ لیتے ہیں۔ادب شعوری کاوش کا نتیجہ ہے یا اندرونی تحریک کا؟اس سوال کا جواب ضروری ہے۔"خطِ تقدیر" کے حوالے سے مولوی کریم الدین اسی شعوری کاوش کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے اس کا احاطہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> "خطِ تقدیر" کی اشاعت پہلی بار ۱۹۶۲ء میں ہوئی۔یہ ناول ہے یا نہیں،اس ضمن میں بحث کرنا میرا مقصد نہیں لیکن اس کے دیباچہ میں مولوی کریم الدین نے قصہ نگاری کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اس عہد میں اپنی نوعیت کے بڑے تنقیدی شعور کی نشان دہی کرتا ہے۔وہ روایتی قصہ نگاری سے عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور شاید پہلی بار کسی قصہ نگار کے یہاں یہ خواہش سر اٹھاتی ہے کہ کہانی ایسے طور پر ہو کہ جو شخص پڑھے یا سنے اس کو خیال ہو کہ قصہ میرے ہی حسبِ حال لکھا گیا ہے۔"(۲)

اب اگر "مرآۃ العروس" کی تحریر کے محرکات کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی کسی غیر مرئی محرک کی پیداوار نہیں بلکہ شعوری کوشش ہے۔اس حوالے سے اولیت کی بحث ایک طرف مگر دونوں ناولوں کی سماجی سطح پر قبولیت نے ان دونوں کے مابین ایک بڑا فرق قائم کر دیا جو طویل تاریخ کے بعد بھی ختم نہیں ہو سکتا۔اب اگر ناول کی روایتی تعریفوں سے ہٹ کر دیکھا جائے تو ناول کا احاطہ دیگر اصناف کی نسبت زندگی کے جملہ پہلوؤں تک ہے۔وہ محض ایک پہلو پکڑ کر اُسے طول دینے کی خاطر اِدھر اُدھر کے قصے شامل نہیں کرتا بلکہ اپنے عہد کے مطابق اُسے زندگی کا عکاس بناتا ہے۔اس ذیل میں ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کی رائے معتبر ہے:

> "ناول زندگی کی جزو نہیں کُل ہے۔یہ ایک یا ایک سے زیادہ زمانوں کا عکس پیش کرتا ہے یعنی اس میں ایک وسیع،سیاسی،معاشی،معاشرتی اور تہذیبی زندگی سمیٹنے کی غیر معمولی قوت ہوتی ہے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ ناول نگار اپنے مخصوص ویژن یا نقطۂ نگاہ سے پڑھنے والوں کو متاثر کرتا ہے۔گویا ناول ایک اہم اور بڑی صنفِ ادب ہے جو ہمیں زندگی کی بصیرت سے ہمکنار کرتی ہے۔"(۳)

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

اس قول کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ناول زندگی کی عکاسی میں اس کے تمام پہلوؤں سیاسی، سماجی، تہذیبی اور نظریاتی حوالوں کو مدِ نظر رکھتا ہے اور اسے کسی خاص فلسفے کا داعی نہیں بلکہ زندگی کا پارکھ بنا کر پیش کرتا ہے۔اس حوالے سے "مرأۃ العروس" اپنی انفرادیت قائم کرتا ہے اور یہ انفرادیت نئے نظریات کی واردات کے باوجود بھی کم ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ جہاں تک ڈپٹی نذیر احمد کے اس ناول کا تعلق ہے فکری مماثلت کی بنا پر اسے بھی سرسید احمد خاں کی تحریک اور فکر کا نتیجہ سمجھ لیا گیا۔بلاشبہ سرسید احمد خاں سیاسی، سماجی اور ادبی منظر نامے پر نئے رجحانات کے ساتھ نمودار ہوئے مگر یہ سمجھ لینا کہ اس دور کے سب کارناموں کے محرک وہ تھے، درست نہیں۔"مرأۃ العروس" کی اشاعت ہرگز اصلاحی تحریک کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ایک خوشگوار واقعہ اس کی اشاعت کا سبب بنا۔ڈپٹی نذیر احمد خود بیان کرتے ہیں:

> "میں سرکاری دورے پر تھا تو رئیس المدارس صاحب کا اتفاقاً گزر ہوا۔گلی میں بشیر میاں کھیلتے ملے۔سرکار بہادر نے پوچھا، کس کے بیٹے ہو؟ کہا، ڈپٹی صاحب کا۔پھر پوچھا کہ پڑھتے ہو؟جواب میں بشیر میاں نے اثبات میں سر ہلایا اور بتایا کہ ابا کی لکھی ہوئی کتاب پڑھتا ہوں۔ صاحب بہادر نے اس کتاب کو دیکھنے کی خواہش کی تو بشیر میاں گھر سے بہن کی کتاب لے آئے۔انھیں ڈر تھا کہ کہیں صاحب بہادر کتاب واپس ہی نہ کریں۔
>
> اب شام جب گھر آیا تو بیٹی نے کُہرام مچا رکھا تھا اور بھائی کی شکایت کر رہی تھی۔میں نے بیٹی کو تسلی دی کہ میں نئی کتاب لکھ دوں گا۔اسی دوران پیغام آیا کہ صاحب نے یاد فرمایا ہے۔پہنچا تو کتاب ان کے ہاتھ میں تھی۔کہا ڈپٹی صاحب یہ تو شاندار کتاب ہے۔قوم کی بیٹیوں کی اصلاح کے لیے اس کی اشاعت کا اہتمام وہ خود کریں گے۔"(۴)

اس عبارت سے واضح ہے کہ ڈپٹی صاحب نے اپنی دُخترِ نیک اختر کی تربیت کے لیے جو کتاب لکھ کر دی وہی، ناول، کی ابتدا بنی۔اب اس سارے عمل میں میں سرسید کی تحریک کا اثر کہاں سے داخل کر دیا گیا۔

اس عہد کے مجموعی منظر نامے پر نظر دوڑائیں تو اِسے 'اجتماعی شعور' کا اثر کہہ سکتے ہیں جہاں نئی نسلوں کی فکر مندی پڑھے لکھے طبقے کو متفکر اور متحرک کیے ہوئے تھی۔لہٰذا اس عہد کے چیدہ چیدہ نام اسی اجتماعی شعور سے وابستہ نظر آتے ہیں۔اصلاحی تحریک کے زیرِ اثر بہت سے اصناف جلوہ گر ہوئیں۔ناول بھی ان میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے اگر اصلاحی ناول کے تصور کو دیکھیں تو پتہ چلتا

ہے کہ یہاں مقصدیت، تخلیقیت پر فوقیت لے جاتی نظر آتی ہے۔ اصلاحی ناول کے حوالے سے ڈاکٹر مجید بیدار، اس کے تعارف کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> ”سماج، معاشرہ، فرد اور عوام میں پیدا ہونے والی خرابیوں کو دور کرنے کے مقصد کے تحت لکھے جانے والے ناولوں کو اصلاحی ناول کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسے ناول عموماً مذہبی اور اخلاقی مسائل پر بھی نکتہ چینی کرتے ہیں اور سماجی اقدار میں پیدا ہونے والی بے اعتدالیوں کے چہرے سے بھی نقاب اٹھاتے ہیں۔“(۵)

اس تصور کو سامنے رکھتے ہوئے ”مرأۃ العروس“ بلاشبہ اصلاحی ناول ہے۔ مگر اس کے نقادوں نے لگے بندھے تصورات کے ضمن میں کرداروں کی تخصیص اچھائی اور برائی کے ساتھ کی ہے۔ سماجی اقدار کے حوالے سے اچھائی اور برائی کے تصورات کو آفاقی قرار دینے کا شوق ان نقادوں کے ہاں بہت زیادہ ہے، اسی لیے وہ معاشرہ اور معاشرتی تبدیلیوں سے نابلد اسی لگے بندھے تصور کو آگے بیان کرتے چلے گئے۔ ”مرأۃ العروس“ کے کرداروں کو بھی اسی کسوٹی پر پرکھا گیا۔ ادب بلاشبہ مخصوص حالات میں پروان چڑھتا ہے۔ معاشرتی تبدیلیوں کے تناظر میں اس کی معنویت کے بھی نئے در وا ہوتے ہیں، اگر کوئی ادب پارہ اس صلاحیت سے محروم ہے تو اعلیٰ ادبی نمونے کے طور پر اپنی پہچان برقرار نہیں رکھ سکتا۔ تو کیا ”مرأۃ العروس“ کی افادیت ایک زمانے کے بعد ختم ہو گئی؟ ایسا سوال ہے جو اس ناول کی از سرِ نو تفہیم کی دعوت دیتا دکھائی دیتا ہے۔

اس ناول کا بنیادی مقصد ہی اصلاحِ نسواں ہے تو اس کے مظاہر جن کرداروں سے دکھائے گئے انھیں صرف اچھائی اور برائی کے پیمانوں پر رکھ کر ہی انصاف کیا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں، اگر ادب کو اس طرح کی حد بندیوں میں جکڑ دیا جائے تو اس کی افادیت و آفاقیت پر حرف آتا ہے۔ عام تاثر ہے کہ اس ناول کا کردار 'اکبری' بُرا کردار ہے۔ کرداری خصائص کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اختلافِ طبع کو محض برائی سے تعبیر کر لینا اسی مخصوص رویے کا شاخسانہ ہے جو نقادوں نے روا رکھا۔ اس حوالے سے اکبری کا قصہ، اصغری کے قصہ کے آغاز سے پہلے اختتام پذیر ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اکبری کے کج رویوں کے اسباب لمبے چوڑے نہیں بلکہ مصنف نے اسے ننھیال میں پرورش اور بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ”پیدا ہونے کے ساتھ ہی نانی نے اُسے اپنی بیٹی بنایا اور اس قدر اس کی نازبرداری کی کہ اس کے رونے اور مچلنے کے ڈر سے وہ بے چاری کسی شادی بیاہ میں شریک نہیں ہو سکتی

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

تھی۔ اکبری ماں کو آپا اور باپ کو بھائی کہتی تھی اور کہتی کیا تھی، اسی طرح ہر اس کو سمجھایا اور سکھایا گیا تھا۔ وہ بات بات پر ماں باپ سے رد و کدر کھتی کہ گویا، دونوں اوپر تلے کی بہنیں ہیں۔ ماں کے ساتھ لڑتے اور جھگڑتے دیکھ کر ڈانٹنے اور دھمکانے کا کیا مذکور، نانی الٹی اس کی حمایت لیتی اور بگڑ بگڑ کر بیٹی سے کہتیں۔ پھر بھائی بچے کی بات کا برا کیوں مانو۔"(۶)

اس اقتباس سے اکبری کی عادات کا جو پس منظر بیان کیا گیا، اُسے بغور دیکھیں تو معاشرتی رویوں پر زیادہ طنز نظر آتی ہے اور اکبری کا کردار معصوم نظر آتا ہے۔ اندیش خاندان کی علم و فضیلت کی ساری معراج اس ایک رویے سے زمیں بوس ہوتی نظر آتی ہے جو مصنف نے خاندان کے تعارف میں پیش کی۔

اکبری کا پھوہڑ پن، اس کی دوسری بڑی خامی کی صورت سامنے آتا ہے۔ اب ذرا اس خامی کو ناول کے تناظر میں دیکھا جائے تو اصغری کے علاوہ دیگر کرداروں میں اس کی جھلک تک نہیں۔ حُسن آرا، جمال آرا، اصغری کی ماں، محمد عاقل کی ماں غرضیکہ ہر کردار اکبری کے برعکس صورتِ حال پیش کرتا دکھائی نہیں دیتا۔ شرفا کے ہاں ماماؤں اور نوکرانیوں کی موجودگی سے جو شرافت و نجابت ثابت کرنے کی کوش کی گئی ہے مصنف نے بیٹیوں کو سسرال میں عزت پانے کے سبب کے طور پر اس سلیقہ مندی کو پیش کیا ہے۔ کیا مصنف بھی اس مدعا کے داعی ہیں تو پھر تمہید میں خود ان کے الفاظ جس وسیع تر منظر نامے کو بطور مثال پیش کرتے ہیں، ان سے سمجھوتہ کر لیا جائے اور وسیع تر مقصد کو محض پھوہڑ پن سے تعبیر کر کے دیکھا جائے۔ وہ تمہید میں عورتوں کی تعلیم کے حوالے سے جو مقدمہ قائم کرتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہے:

"جن عورتوں نے وقت کی قدر پہچانی اور اس کو کام کی باتوں میں لگایا، وہ مردوں کی طرح دُنیا میں نامور اور مشہور ہوئی تھیں جیسے نور جہاں بیگم، زیب النسا بیگم یا ان دنوں نواب سکندر بیگم یا انگریزوں کی شہزادی وکٹوریا، یہ وہ عورتیں ہیں جنھوں نے ایک چھوٹے سے گھر یا کہنے کا نہیں بلکہ ملک اور جہان کا بندوبست کر رکھا ہے۔"(۷)

اب اس طرح کا مقدمہ قائم کرتے ہوئے، عورت کی تربیت کو محض پھوہڑ پن سے تعبیر کرنا سراسر ناانصافی ہے۔ قوتِ فیصلہ بھی ایک وصف ہے جو کسی بھی انسان کو آگے بڑھنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ اکبری کا کردار قوتِ فیصلہ کا مظہر ہے۔ یہاں بھی مصنف نے اُسے محض الگ گھر کرنے کے فیصلے کے منفی تاثر کے طور پر دکھا کر اپنا فریضہ پورا کیا ہے۔

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

سوال یہ ہے کہ جس معاشرے اور معاشرتی اقدار کو ناول کی مجموعی فضا میں پیش کیا گیا، کیا اس فضا میں اجتماعی خاندانی نظام کی کوئی جھلک پیش کی گئی، ہر گز نہیں۔ اگر ڈپٹی صاحب کچھ کرداروں کے حوالے سے اس نظام زندگی کے فوائد بھی دکھا دیتے تو کتنا اچھا تھا۔ پھر قاری کو نتیجہ اخذ کرنے میں آسانی رہتی کہ وہ مصنف کا ہم خیال بنے۔ اب ذرا اکبری کے کردار کو ایک لمحے کے لیے نظر انداز کر کے اکبری کی ماں کے مکالمے کو دیکھ لینا چاہیے کہ وہ اکبری کی فرمائش پر محمد عاقل سے کیا کہتی ہیں:

> "ساس نے کہا، دلیل اور محبت سے کیا مطلب؟ سیدھی بات یہی کیوں نہیں کہتے کہ مجھ کو ماں سے الگ ہونا منظور نہیں ہے۔ ایک بات تم سے بی بی نے کہی، اس کو قبول کرنے میں تم کو اس بلا کا تامل ہے اور پھر کہتے ہو کہ ہم ان کی خاطر داری میں کمی نہیں کرتے۔ آرام اور خوشی کیا چیز ہے؟ جس میں بی بی خوش ہو اور جس کو وہ آرام سمجھے۔
> اس کے بعد باتوں میں رنجش و تراوش ہونے لگی۔ محمد عاقل نے سکوت اختیار کیا۔"(۸)

اب ذرا اکبری کے کردار کا احاطہ کیجیے، کیا اکبری ایک انفرادی کردار ہے جسے مصنف نے بطور نمونہ گھر کی بربادی کا عکاس دکھایا ہے۔ پہلے تو اس کی تربیت کے ذیل میں عمومی معاشرتی رویے، ننھیال کا لاڈ پیار، تعلیم کی کمی وغیرہ کو اس انداز میں پیش کیا گیا تو یہ تاثر بھی دینے کی کوشش کی گئی کہ اگر ماں باپ تربیت کرتے تو نتائج مختلف ہوتے جیسا کہ اصغری کے کردار سے ظاہر ہے مگر مذکورہ بالا اقتباس تو اس صورتِ حال کی تائید نہیں کرتا۔ محمد عاقل کی ماں تو یہاں غیر اہم دکھائی دیتی ہے، محمد عاقل کا ساس سے ہونے والا مکالمہ بھی اُسے کسی ضد پر اتارتا نظر نہیں آتا مگر اکبری کی والدہ کے محمد عاقل سے مکالمے کو کس انداز میں لیا جائے۔ اکبری کا گھر الگ کر کے رہنا، جس شد و مد کے ساتھ اکبری کے کرداری ضعف کا عکاس بنا کر پیش کیا گیا تو اس میں اس کی والدہ دو ہاتھ آگے دکھائی دیتی ہے جو دس روپے مہینہ کی تنخواہ کو میاں بیوی کے لیے حصولِ مُسرت کا باعث قرار دیتے ہوئے مستقبل کی فکر سے بھی دور رہنے کا مشورہ دیتی ہے اور حیاتِ فانی کا وہ روپ پیش کرتی ہے جو کسی دانا کا قول نہیں ہو سکتا کہ پھر "زندگی کا اعتبار نہیں، جتنے دن جینا چاہیے، ہنسی خوشی سے تیر کر دینے چاہییں۔"(۹)

اس ناول کو سماجیات کے علوم کے پیمانوں پر پرکھا جائے تو محمد عاقل کی ماں کا بیٹے کا گھر بچانے کے لیے سمجھوتہ، اکبری کی الگ گھر کی ضد، اکبری کی نانی کا لاڈ پیار اور اکبری کی ماں کا اپنی بیٹی کی فرمائش میں اُس کے شانہ بشانہ کھڑا ہو کر داماد کو قائل کرنا، اس عہد کے ہی نہیں بلکہ موجودہ عہد تک کے تمام زمانوں کے عمومی نسوانی رویے ہیں۔ اس اعتبار سے نسوانی خواہشات کے

محرکات میں نفسیات کے عمل دخل سے انکار کسی صورت ممکن نہیں۔اب ان سب رویوں میں سے ایک اکبری کی ضد کو اخلاقی یا سماجی برائی کے طور پر ثابت کرنا مقصود ہو تو اس کی دلیل ملنا محال ہے۔ اب ذرا اکبری کے مزاج کی ایک افتاد جو مصنف نے پیش کی وہ اس کا نچلے گھرانوں کی لڑکیوں سے دوستی کرنا ہے۔اس حوالے سے مصنف نے اس طبقے کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا کہ اس طبقے کی لڑکیوں کو زبان کی چاٹ ہوتی ہے۔ تو کیا اکبری کا خاندانی تعارف اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اسی چاٹ کی مظہر ہو۔مصنف نے مشاہدے کو نظریے کی صورت پیش کرتے ہوئے، اسے ایک لافانی حقیقت کی صورت پیش کیا ہے جو اصلاً اس بات کا غماز نہیں۔انسانی عادات وخصائل کو کسی ایک خاص طبقے تک محدود کرانا، کیا اصلاحِ معاشرہ کے ذیل میں آتا ہے؟ بڑا سوال ہے۔ڈاکٹر مشتاق عادل طبقاتی تناظر میں رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”ان کی پیش کش سے ان طبقات کی گھریلو زندگی کی عکاسی ہوتی تو ہوتی ہے مگر تضاد یا کش مکش سامنے نہیں آتی۔“(۱۰)

اس رائے کے حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کے دوسرے ناولوں کو تو پرکھا جاسکتا ہے مگر مراۃ العروس میں تو طبقاتی تفاوت کو اکبری کے گھر کی تباہی کے بڑے سبب کی صورت پیش کیا گیا ہے۔نچلے طبقے کی لڑکیوں کی دوستی کی وجہ سے گھر کا اسباب جاتا رہا، خانگی زندگی میں یہ نقصان اُس مالی نقصان سے یقیناً بڑا ہے وہ جو زیور کی صورت میں ہوا۔ اکبری کے کردار کی حقیقت پسندانہ تفہیم سے اکبری ایک انفرادی کردار کی بجائے اجتماعی نسوانی رویوں کا نمائندہ نظر آتا ہے۔اس بات سے انکار بہر طور ممکن نہیں کہ ان عادات کے محرکات کے باوجود گھریلو زندگی تہ وبالا ہونے میں عادات وخصائل کو دخل ہے۔

اصغری کا قصہ شروع کرنے سے پہلے ہی مصنف نے اُس کا تعارف بھرپور کرایا۔یہاں اصغری کے کردار میں صبح خیزی اور گرہستی کے اثرات نمایاں کرکے دکھائے گئے۔بہنوئی کی خاطر مدارت، وضو کے لیے پانی کا اہتمام اور تہذیب وہ خوبیاں ہیں جنھیں محمد عاقل، اصغری اور محمد کامل کے رشتے کے وقت اپنی ماں کے سامنے پیش کرتا ہے۔یہاں اصغری کا ابتدائی تعارف تو ملتا ہے مگر وہ جھلک دکھائی نہیں دیتی جو بعد میں اُس کے کردار کا خاصا دکھائی دیتی ہے۔ساس کی خدمت میں اپنی رائے کا اظہار، ماماعظمت کی چوریاں پکڑوانے کے لیے سسر کو صلاح دینا وغیرہ ایسے افعال ہیں جو اُس کی دانش مندی ثابت کرنے میں معاون ہیں۔یہ دانش مندی محمد عاقل اور اصغری کی والدہ کے مابین مکالمہ کے وقت نظر نہیں آتی۔اکبری کی الگ گھر کرنے کی ضد کی حمایت میں ان کی والدہ کا مؤقف اکبری کے مطالبے کی پُرزور تائید ہے۔اس موقع پر اصغری کا چائے کی سینی رکھ کر چلے

جانا۔ چلیں مان لیا کہ دو بڑوں کی گفتگو میں دخل مناسب نہ تھا مگر ہلکی سی رمق یا جھلک اتنے اہم معاملے پر مصنف اس کردار میں نہ دکھا سکے۔

معاشرتی رویوں میں کجی کی ایک صورت لڑکیوں کا اپنے گھر میں رائے دینا تو قبول مگر والدین کے ساتھ اس طرح کا معاملہ ردوکد شمار کیا جانا عمومی تھا اور ہے۔ اکبری کے کردار کو مصنف نے اسی پیمانے پر اُستوار کیا۔ اس بحث سے یہ نہیں مان لینا چاہیے کہ عورت کی معاشرتی حیثیت، اس کی دانش کی جلوہ گری کے مقامات متعین کرتی ہے۔ اب ذرا اصغری کے کردار کو ذرا حقائق کے تناظر میں دیکھ لیا جائے۔ اصغری کے بیاہ کے موقع پر اس کے والد دوراندیش خان کا خط مذکور ہے۔ یہ طویل خط دراصل شادی شدہ زندگی گزارنے کے اصول وضابطے بیان کرتا نصیحت نامہ ہے۔ وہ اس خط میں بطور بیوی، بطور بہو، بطور منتظم تمام فرائض کی نشان دہی کرتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ یہ خط اکبری کے نام کیوں نظر نہیں آتا؟ اگر اسے اکبری کی والدین سے بحث کی وجہ سے غیر اہم سمجھ لیا جائے تو بھی یہ اولاد کے حوالے سے عدل کا مظہر نہیں۔ اگر اولاد کی سعادت مندی کو پسند ناپسند کے معیار کے طور پر دیکھا جائے جیسا کہ اس خط میں مذکور ہے تب بھی خاندانی نجابت پر حرف آتا ہے گویا اندیش خاندان نے اکبری کی صورت سُسرال کے گھر مصیبت بھیج کر سکون کا سانس لیا ہو۔

اسی قصے میں اصغری کا ایک خط اپنے بھائی خیر اندیش کے نام بھی بیان کیا گیا ہے جس میں ماماعظمت کی چوریوں کا تذکرہ اور اس سے تدارک کا صلاح مشورہ مذکور ہے۔ والد کے خط اور بھائی کی مشاورت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اکبری کے مقابلے میں اصغری کا کردار انفرادی دانش کی بجائے اجتماعی دانش کا مظہر ہے تو کیا اس وجہ سے اکبری اور اصغری کے تقابل میں نقادوں کے سجائے گئے میدان کو ناکافی نہیں سمجھنا چاہیے؟ اصغری کے کردار کو مثالی سطح پر استوار کرتے ہوئے مصنف نے عام مشاہدے کی باتوں کو بھی نظر انداز کرنے میں کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مثلاً شبِ برات کے موقع پر اس کے انتظامات کو مثالی سطح پر پیش کرتے ہوئے یہ بھول گئے کہ دوسرے گھروں سے آئی ہوئی چیزیں محلے میں ردوبدل کے ساتھ بھجوانا نسوانی مزاج کے تنقیدی رویوں کو متحرک کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> "ایسا ہی شبِ برات کا کرنا ضرور ہے تو فاتحہ کے لیے پانچ چھ سیر کا میٹھا بہت ہو گا۔ رہا بھیجنا بھجوانا تو ادھر سے آیا، ادھر گیا اور محمودہ اب پٹاخوں کے واسطے ضد نہیں کریں گی۔ میں ان کو سمجھالوں گی۔ غرض شبِ برات تو میری طرف سے آئی گئی ہوئی۔ اس کے واسطے قرض

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

کی فکر نہ کیجیے۔کسی معمول میں بھی کمی ہو تو مجھ کو الاہناد یجیے۔"(۱۱)

اس میں شبہ نہیں کہ معاشی حالات کے پیشِ نظر محض خاندانی وقار کی بحالی کے لیے قرض لینا مناسب عمل نہیں۔اصغری کے کردار کے ذریعے مصنف نے محمودہ اور محمد کامل سے مکالموں میں ان کے اثرات و نقصانات بھی واضح کر دیے مگر خاندانی عزت کے لیے یہ امر مجبوری تہوار منانے کے باب میں یہ کیا مناسب عمل ہے کہ محلے میں گھومتا میٹھا کسی کی نظر سے نہ گزرے اور اس طرح ادھر سے اُدھر کا چکر خاندانی وقار پر بٹہ کے مترادف نہ سمجھا جائے۔مصنف نے اپنے تئیں کفایت شعاری کا طریقہ بتایا جو معاشرتی معمولات سے مطابقت رکھتا ہو ضروری نہیں۔

مصنف نے اوّل تا آخر اصغری کے کردار کو مثالی سطح پر اُستوار کیا۔گرہستی کے معمولات، خاندان کی معاشی مشکلات کا حل، ماما عظمت جیسی دغاباز کی چوریوں کا پردہ فاش کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا، گھر میں مکتب کا آغاز یہ سب حوالے اُسے معاشرے کے مفید کرداروں کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔اصغری کے کردار میں دلکشی کا بڑا سبب مکتب میں تعلیم کے ساتھ، ہُنر مندی کا پہلو بھی ہے۔اصغری نے تعلیم و تربیت کے حوالے سے کہانی سُننے کے عمل میں جس طرح سے ملکہ وکٹوریہ کی شان میں قصیدہ گوئی کی وہ الگ سے اہم پہلو ہے۔مصنف کی مجبوری یا نیاز مندی کہ انھوں نے اس مضبوط کردار کو سیاسی تناظر میں پیش کرتے ہوئے قصہ کو موقوف کر دیا اور اس لمحے اصغری کا کردار اس عہد کے ان کرداروں کا نمائندہ بن گیا جو حقِ نمک ادا کرنے کی وجہ سے اپنے ہم وطنوں کی نظر میں مشکوک نظر آتے ہیں۔مثلاً کہانی سننے سنانے کے عمل میں عورتوں کی اہمیت اپنی جگہ مگر اس طرح کے مکالمے کس طرح ضروری قرار دیے جاسکتے ہیں:

> "یہ سچ ہے کہ ملکہ یہاں ہمارے پاس رہتی ہوتیں تو ہم لوگوں کو ان کی اس بات سے بہت فائدے پہنچتے۔پھر بھی میں نے تحقیق سُنا ہے کہ یہاں کی رعایا کی ذرا سی تکلیف بھی سُن پاتی تو ان کا دل بے چین ہو جاتا ہے اور ملکہ کی رحم دلی اور خدا ترسی کی حکایتیں جو کبھی کبھی اخبار میں نظر سے گزری ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شک ان کو لوگوں کی پرداخت کا بہت بڑا خیال ہے اور سمجھتی ہوں کہ ہو نہ ہو ملکہ نے اپنے بیٹے کو بھی اسی غرض سے بھیجا ہے کہ اپنی آنکھوں سے رعیت کا حال دیکھا اور مجھ سے آ کہو۔"(۱۲)

مصنف کی مجبوریاں ایک طرف مگر تخلیقی قصہ میں اس طرح کی سیاسی درفنتنی کا جواز نظر نہیں آتا۔اصغری کے کردار

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

میں ہزاروں خوبیاں سمودی گئیں تو اس حقیقت کا بھی اعتراف کیا گیا کہ بیوی کے معمولات میں خاوند کے لیے وقت نہ نکلنا، اخلاقی بے راہ روی اور آوارگی کا باعث ہو سکتا ہے۔ یہ وہ نفسیاتی پہلو ہے جو انسانی فطرت کا غماز ہے۔ اس حوالے سے مصنف کی یہ سوچ قابلِ داد ہے کہ انھوں نے اس کردار کے دیگر فرائض کو استحسان سے پیش کرتے ہوئے، اس کی بنیادی حیثیت اور فرض سے پہلو تہی نہیں کی۔

مجموعی طور پر مثالی کردار نگاری کے تناظر میں ڈپٹی نذیر احمد نے اصغری کو ایک لافانی خصائص کا حامل کردار بنا کر پیش کیا مگر اس سفر میں وہ کتنے ہی کرداروں کی نفی کرتے چلے گئے، اصغری کی ساس جو اکبری کے قصے میں ایک عقل مند، زیرک اور اچھی منتظم نظر آتی تھی، اب دوسرے قصے کے ساتھ اس کی بدانتظامی، بے وقوفی کھُل کر سامنے آئی جس کا فائدہ ماما عظمت برسوں سے اُٹھا رہی تھی۔ مولوی محمد فاضل جو اتنے اہم عہدے پر فائز ہیں اور ایک وسیع انتظام سنبھالتے ہیں، گھر کے حوالے سے اُن کی حالت بھی اپنی زوجہ سے مختلف نہیں، گھر کی حالت اور اخراجات کا عدم توازن انھیں اصغری کے دکھانے پر نظر آیا ورنہ سالہا سال سے ان کی فہم و دانش کی رسائی نہ ہوئی۔ محمد کامل کا کردار محض اصغری کی دانائی ثابت کرنے کی ایک کُل سے زیادہ نہیں جو ڈپٹی نذیر احمد کی تمہید میں دعوے کے بالکل برعکس ہے:

"دُنیا میں بہت بھاری بوجھ مردوں کے سر پر ہے۔"(۱۳)

اس قصہ میں مرد کردار اس بوجھ سے کوسوں دور ہیں اگر انھیں کمانے کی حد تک دیکھا جائے تو بطور خاوند، سسر، باپ اور بھائی ان کی حیثیتیں اکبری کی کج رویوں اور اصغری کی دانائیوں کی محتاج ہیں۔ معاشرہ اور معاشرے کی اقدار کے تناظر میں اس ناول کے کئی پہلو موجودہ عہد میں نئی تعبیر کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں، انھیں موجودہ حالات کے تناظر میں نئی تاثیر اور جدت کے حوالے سے دیکھا، پرکھا اور برتا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سرورق: خطِ تقدیر، لکھنؤ: دانش محل، ۱۹۶۵ء
۲۔ ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر، اردو فکشن کی تنقید، لاہور: جمالیات، ۱۹۹۷ء، ص ۲۳
۳۔ ممتاز احمد خاں، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اُردو ناول، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۶ء، ص ۴۰

۴۔ نذیر احمد،ڈپٹی، مراۃ العروس، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۱۳

۵۔ مجید بیدار، ڈاکٹر، ناول اور متعلقاتِ ناول، حیدر آباد: فائن پرنٹنگ پریس، ۱۹۸۹ء، ص ۱۴

۶۔ نذیر احمد، ڈپٹی، مراۃ العروس، ص ۶۳

۷۔ ایضاً، ص ۴۴

۸۔ ایضاً، ص ۸۰

۹۔ ایضاً، ص ۸۰

۱۰۔ مشتاق عادل، ڈاکٹر، پاکستانی اُردو ناول اور طبقاتی کشمکش، ساہیوال: فروغِ زبان پبلشرز، ۲۰۲۱ء، ص ۳۴

۱۱۔ نذیر احمد، ڈپٹی، مراۃ العروس، ص ۱۳۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۷۵

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۸